14

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استاد حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع و تکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں بسا اوقات ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل ونہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں.......... لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، تعلیم وتربیت اور دارالعلوم دیوبند کے بعض اساتذہ اور ممتاز شخصیات کے تعارف پر مشتمل یہ چودھویں قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق وشوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ   میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)]

جامعہ علمیہ کانپور کا سفر:

مفتاح العلوم کے قیام کے زمانے میں ایک مرتبہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کے استاد حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمہ اللہ کے مدرسے، جامعہ علمیہ کے جلسے میں شرکت کے لیے کانپور کا سفر ہوا، بڑا

عظیم الشان جلسہ تھا، اکابر علماء اور عمدہ قسم کے مقررین کی تشریف آوری ہوئی تھی۔ بعض مسلم وزراء بھی جلسے میں شریک تھے، عمدہ اور بہترین تقریریں ہوئیں، حضرت الاستاد نے میرا تعارف اس حوالے سے کرایا کہ ان کو پڑھنے پڑھانے کا بہت شوق ہے اور انہوں نے مختصر مدت میں کئی لوگوں کو دورۂ حدیث تک پہنچایا ہے، تو مفتی صاحب نے فرمایا کہ پھر ان کو ہم اپنی بچیوں کا امتحان دلائیں گے، چنانچہ ہم مفتی صاحب کے مدرسے میں گئے اور ہم نے ان بچیوں سے صرف ایک سوال کیا کہ ''ان لنفسك عليك حقا '' کی ترکیب کرو تو کوئی بچی بھی ترکیب نہ کر سکی، جب کہ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ دورۂ حدیث پڑھ رہی ہیں، اسی کے ساتھ ایک افسوسناک بات یہ سامنے آئی کہ جس جامعہ علمیہ کا اس قدر عظیم الشان جلسہ ہو رہا ہے، وہ ایک کمرے میں قائم ہے، نہ وہاں درس گاہ ہیں، نہ دارالاقامہ ہے اور نہ مدرسے کے دیگر لوازمات موجود ہیں، جب جلسے میں دستار بندی ہوئی تھی تو مجھے اسی وقت جامعہ علمیہ کے بارے میں شبہات پیدا ہو گئے تھے، چوں کہ صرف چار پانچ طلبہ کی دستار بندی ہوئی تھی، مجھے ان چار پانچ کے بارے میں بھی شک تھا کہ یہ جامعہ علمیہ ہی کے طالب علم ہیں، یا باہر سے درآمد کیے گئے ہیں، قرآئن دوسری صورت کے محسوس ہو رہے تھے۔

کانپور کے سفر کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ مولانا امداد اللہ عباسی سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس ایک بڑا کتب خانہ برائے فروخت موجود تھا، جس میں درسی کتابیں اور شروحات وغیرہ موجود تھیں۔ وہ سستے داموں میں خرید لیا گیا اور اس طرح مفتاح العلوم جلال آباد کو کتب خانے کے لیے اچھا ذخیرہ مہیا ہو گیا۔

مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ کی زیارت:

دارالعلوم دیوبند کے احاطۂ دفتر میں کمرہ نمبر 19 میں مولوی ارشاد احمد فیض آبادی، مولوی عتیق الرحمن سنبھلی، مولوی وارث حسن فیض آبادی اور میرا قیام تھا، مولوی ارشاد احمد دارالعلوم میں تبلیغی جماعت کے امیر تھے، سرخ و سفید گٹھا ہوا بدن اور پستہ قد آدمی تھے۔ بہت زیادہ لیے دیے رہتے تھے، اختلاف سے گریزاں تھے، عبادت کے شوقین تھے، کتابی استعداد کوئی خاص نہیں تھی، نہ وہ اس کے لیے کوشش کرتے تھے، مگر مقرر اچھے تھے، ان ہی کی وجہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی زیارت ہوئی۔ حضرت دارالعلوم دیوبند تشریف لائے تو مولوی ارشاد احمد صاحب ان کو کمرے میں لے آئے وہاں، ان کی زیارت ہوئی۔ مولوی ارشاد احمد صاحب بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شعبہ تبلیغ سے منتعلق ہو گئے اور اس حوالے سے انہوں نے بہت قیمتی اور عمدہ خدمات انجام دیں۔

تبلیغی جماعت سے تعلق:

مولوی ارشاد احمد صاحب کے ساتھ کبھی کبھی عصر کے بعد تبلیغی جماعت گشت میں جانا ہوا تو گشت کے دوران بعض ایسے افراد بھی ملے جن کو کلمہ یاد نہیں تھا، یا پھر وہ کلمے کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتے تھے، اس کا مجھ پر بہت اثر ہوا، اور تبلیغ کی

اہمیت اور ضرورت واضح ہوئی، چنانچہ جلال آباد میں ہم نے تبلیغی کام شروع کیا۔ قصبے میں اور قرب وجوار کے دیہات میں جماعت لے کر جاتے تھے۔ اس کے اثرات اچھے ظاہر ہوئے، ایک مرتبہ جماعت لے کر نظام الدین دہلی جانے کا ارادہ کیا، پوری تیاری ہوگئی، مگر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی جانے کی اجازت نہیں دی اور سفر ملتوی کرنا پڑا۔ مولانا کے منع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ کئی لوگ مولانا کے پاس آکر تبلیغی جماعت کے غلو کے واقعات نقل کیا کرتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ تبلیغ سے متعلق کئی حضرات، غلو کا شکار ہو جاتے ہیں اور اعتدال کو چھوڑ دیتے ہیں، حدود کی رعایت نہیں کی جاتی۔ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب خود اس کو درست نہیں سمجھتے تھے۔

مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کا قول:

مولانا محمد یوسف صاحب، مولانا الیاس صاحب کے بعد تبلیغی جماعت کے امیر تھے، انہوں نے دار العلوم کراچی میں ایک مرتبہ طلبا اور علما کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایسی تبلیغ، جس میں اسباق کا ناغہ ہو، یا مطالعے اور تکرار میں حرج واقع ہو، حرام ہے، حرام ہے، حرام ہے، تین مرتبہ فرمایا...... مگر لوگ جذبات میں بہہ جاتے ہیں اور بزرگوں کی اس ہدایت پر عمل نہیں کرتے، دیکھا گیا ہے کہ اس میں بڑے بڑے حضرات بھی مبتلا ہوتے ہیں، ایک دفعہ دار العلوم دیوبند میں تبلیغی جماعت آئی، مولانا عبدالحق جو مدرسۂ شاہی مراد آباد کے مہتمم تھے اور حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ مدینہ منورہ میں انہوں نے حضرت سے پڑھا تھا، یہ اصلاً دیوبند کے رہنے والے تھے، مولانا حامد میاں مرحوم کے خسر بھی تھے۔ انہوں نے دار الحدیث میں طلباء اور علماء کے مجمع میں تقریر کی اور اس پر زور دیا کہ تبلیغی کام بہت ضروری ہیں اور مدارس کی تعلیم اس کے مقابلے میں اہم نہیں ہے۔

صبح کو حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ نے ابوداؤد کے سبق میں خلاف عادت رات کی تقریر پر مختصر تبصرہ فرمایا، جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ لوگوں کا یہاں دار العلوم میں وقت گزارنا فضول ہے، تبلیغ اس کے مقابلے میں ضروری قرار دی جارہی ہے، بہر حال اس قسم کے واقعات کی بنا پر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب تبلیغی عمل سے زیادہ مطمئن نہیں تھے اور اسی وجہ سے انہوں نے ہم لوگوں کو نظام الدین جانے سے منع کیا تھا۔

میرا خیال ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ تبلیغ کا نفع ناقابل انکار ہے اور اس کی وجہ سے بے شمار انسان جن کا رشتہ اسلامی تعلیمات سے بالکل منقطع تھا، یا پھر وہ اسلامی تعلیمات کے برعکس فسق وفجور میں بدمست تھے، تبلیغ کے ذریعے ان کو ہدایت ملی اور وہ راہِ راست پر آگئے، اس لیے غلو سے بچتے ہوئے، یہ کام کرنا چاہیے۔

مگر افسوس صد افسوس کہ اب کم از کم پاکستان میں تبلیغ سے وابستہ عمائدین کی حالت اس قدر افسوس ناک ہے کہ اس کی تفصیلات بیان کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی، اخلاق تباہ ہیں، نفسانیت اور خود غرضی کا دور دورہ ہے، نہ معاملات

درست ہیں، نہ معاشرت صحیح ہے۔ جو جتنا تبلیغ میں پرانا ہوتا چلا جاتا ہے، اتنا ہی اس کے بگاڑ میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے رائے ونڈ مرکز میں جو انتشار پیدا ہوا تھا، اس کا سبب وہ پرانے لوگ ہیں جو شب جمعہ کراچی میں خطاب کیا کرتے تھے، ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان کے خطاب کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، تو یہ جماعت کے مرکزی امیر کی مخالفت میں کھڑے ہوگئے، فتویٰ بازی شروع کر دی اور لوگوں کو متنفر کرنے کے لیے ملک بھر کے دورے کرنے لگے اور طرح طرح کے اعتراض شروع ہوگئے۔ یہ آج اعتراض کر رہے ہیں، حالانکہ یہ تمام باتیں پہلے سے موجود تھیں اور ان کو ان پر اعتراض نہیں تھا، منبر سے ان کا علیحدہ ہو جانا، ان کے لیے سوہان روح بن گیا، حالانکہ تبلیغی عمل سے ان کو منع نہیں کیا گیا، اس سے نفسانیت اور انانیت کا ثبوت واضح ہوتا ہے

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ پرانوں میں ایسے حضرات بھی موجود ہیں جن کے تقویٰ اور صلاح میں شک نہیں، حقیقت تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، احقر کا تاثر ان کے بارے میں یہی ہے، اس حقیقت میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ مرکزی امیر جماعت کے بعض معاملات بھی اس ہنگامے کا سبب بنے ہیں۔

تعلیم وتبلیغ کی برکات:

جلال آباد کے قیام کے زمانے میں کرنل محمد اقبال خان صاحب جن کا تعلق بھوپال سے تھا اور وہ تبلیغی جماعت سے بھی متعلق تھے۔ تشریف لائے، ان کی صاحبزادی غیور علی خان صاحب ولد لیاقت علی خان صاحب سے منسوب تھی۔ وہ مغرب کے بعد مدرسے آئے، انہوں نے دیکھا کہ مدرسہ کے صحن میں طالب علم کہیں دو، کہیں ایک، کہیں تین مٹی کے تیل کا چھوٹا سا لیمپ لیے ہوئے پڑھ رہے، کچھ مطالعے میں مشغول ہیں اور کچھ تکرار کر رہے ہیں، مدرسہ کا وسیع وعریض صحن اس طرح تعلیمی مشغلے کا ایک رونق افروز منظر پیش کر رہا ہے، اور ان کی نگرانی کے لیے کوئی استاد بھی موجود نہیں، کرنل صاحب بغیر اطلاع دیے ہوئے آئے تھے اور اس منظر سے وہ بہت متاثر ہوئے، صبح کو پھر مدرسے آئے اور حضرت استاد سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی، میں نے ان کو مولانا کے مکان پر بھیج دیا، مدرسے میں طلبا کی رہائش کا معقول بندوبست نہیں تھا، انہوں نے چودہ ہزار روپے تعمیر کی مد میں عطیہ دیا، جو اس وقت کے لحاظ سے ایک معقول رقم بنتی تھی۔

پھر وہ نظام الدین چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد دوبارہ آئے اور پھر چودہ ہزار روپے انہوں نے عطیہ مرحمت فرمائے، اس رقم سے طلبا کے لیے بارہ کمرے اور آٹھ درس گاہیں اور ان کے درمیان ایک دارالحدیث تعمیر ہوا۔

طلبا کے کمروں میں ہم نے باہر کی طرف چھوٹی لکھوری اینٹیں استعمال کیں، جو غیر آباد ٹوٹے ہوئے مکانوں سے مفت حاصل کر لی گئی تھیں اور اندر کے حصے کو گارے سے بنا گیا تھا۔ اس وقت ہمارا خیال یہ تھا کہ ہم لوگ تبلیغ کا جو کام

کر رہے تھے، یہ تعاون اسی کی برکت ہے۔

جلال آباد اور بھوپال کا تعلق:

جلال آباد کا بھوپال سے خاص تعلق تھا۔ وہاں کی بعض مسجدوں کے اخراجات بھی بھوپال کے عطیات سے پورے کیے جاتے تھے اور غالباً اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ نواب سلطان جہاں بیگم کے رشتے کے لیے جلال آباد سے ایک نوجوان احمد علی خان صاحب کا انتخاب ہوا تھا، وہ بھوپال طلب کیے گئے، وہاں ان کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا گیا اور پھر سلطان جہاں بیگم جو بھوپال کی حاکم تھیں، ان سے احمد علی خاں صاحب کا عقد ہوا۔

چھٹیاں تھانہ بھون خانقاہ میں:

بچپن سے شوق تھا کہ تھانہ بھون خانقاہ میں قیام کیا جائے، لیکن خانقاہ کے قیام کے لیے شرط تھی کہ داڑھی آ گئی ہو اور بچپن کی وجہ سے ہم اس شرط پر پورے نہیں اترتے تھے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے عجیب طریقے سے اس کا موقع عنایت فرمایا، ایک روز رجب کے آخر میں، تھانہ بھون جانا ہوا تو مولانا سید حامد حسین صاحب خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، وہ فرمانے لگے کہ میں پاکستان جانا چاہتا ہوں، مولانا کا قیام ایک عرصے تک میرٹھ میں رہا تھا، وہاں کے کچھ حضرات، راولپنڈی پاکستان منتقل ہو گئے تھے، وہ مولانا کو راولپنڈی بلانا چاہتے تھے۔ مولانا نے فرمایا کہ میں نے چھٹی کی درخواست دی ہے، لیکن مولانا ظہور الحسن اور حاجی شمشاد جو خانقاہ کے منتظم تھے، انہوں نے فرمایا کہ آپ اپنا کوئی بدل پیش کر دیں، تو چھٹی مل جائے گی۔ مولانا فرماتے تھے کہ میں نے اپنی جگہ کام کرنے کے لیے کئی آدمیوں کا نام دیا ہے، لیکن یہ حضرات ان کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ یہ خانقاہ کے لیے مناسب نہیں ہیں، اگر تم اس کے لیے تیار ہو جاؤ تو میں تمہارا نام پیش کروں، مجھے یقین ہے تمہیں وہ قبول کر لیں گے، میں نے عرض کیا کہ میں جلال آباد جا کر حضرت الاستاد سے عرض کروں گا، اگر انہوں نے اجازت دی تو میرا نام پیش کر دیں، شعبان، رمضان میں جلال آباد میں مدرسے کی چھٹی ہوتی تھی، مولانا نے اجازت دے دی، میں نے تھانہ بھون جا کر مولانا سید حامد حسین صاحب کو بتایا کہ حضرت نے اجازت دے دی ہے، چنانچہ انہوں نے میرا نام پیش کر دیا اور قبول ہو گیا۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے گھر قیام:

دو چار طلباء کو میں جلال آباد سے اپنے ساتھ لے آیا اور وہاں کام شروع کر دیا، درس گاہ کے طور پر وہ جگہ استعمال ہو رہی تھی، جہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ تشریف فرما ہوا کرتے تھے۔ ہماری رہائش کے لیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کا وہ مکان تجویز ہوا، جس میں مولانا جلیل احمد خان صاحب شیروانی عرف ''پیارے میاں'' رہا کرتے تھے۔

حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے کہ میری دو بیویاں ہیں، وہ علیحدہ علیحدہ دو گھروں میں رہتی ہیں۔ یہ تیسرا گھر میں نے اس لیے بنایا ہے کہ اگر کبھی ان سے ناموافقت کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنا مشکل ہو تو میں اس گھر میں رہوں، یہ مصلحت ضرور پیش نظر رہی ہوگی، لیکن اس کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ اس مکان میں ایک تہہ خانہ بھی تھا، جو گرمیوں کے زمانے میں بہت ٹھنڈا رہتا تھا۔ ہم لوگ دوپہر کے وقت اس میں آرام کیا کرتے تھے، اکثر اس میں لحاف اوڑھنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ تھانہ بھون کا یہ قیام اہلیہ اور بڑی بیٹی کے ساتھ اس مکان میں رہا۔ رمضان المبارک کے اخیر عشرے میں چھٹی ہوگئی اور میں مسوری چلا گیا۔ یہ شملہ کی طرح دھرادون کے قریب ایک پہاڑی سرد مقام ہے۔

حضرت رائے پوری کی خدمت میں حاضری:

وہاں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا۔ ان کے متعلقین کا اچھا خاصہ مجمع موجود تھا۔ وہیں میں نے قیام کیا، جس مسجد میں حضرت کے متعلقین مقیم تھے، اس کے امام قاری بشیر الدین صاحب تھے، وہ لوہاری کے قریب انبٹھے کے رہنے والے تھے، ان کے دو بچے اصغر اور اکبر جلال آباد میں، قرآن کریم حفظ کرتے تھے، ان کے میرے والد مرحوم سے تعلقات بھی تھے، اس لیے مجھے قاری بشیر الدین صاحب کی وجہ سے وہاں قیام کرنے میں آسانی ہوئی۔ عشرۂ اخیرہ کے اختتام کے موقع پر میں واپس آ گیا اور عجیب اتفاق ہوا کہ مولانا سید حامد حسین جب راولپنڈی سے رمضان کے بعد واپس آئے تو خانقاہ تھانہ بھون کے منتظمین نے ان کو پھر قبول نہیں کیا۔ ان کے درمیان اور منتظمین خانقاہ کے درمیان کافی عرصے تک نزاع جاری رہا، پھر بعد میں انہوں نے تھانہ بھون ہی میں اپنا ایک ادارہ قائم کرلیا تھا اور اسی ادارے سے وابستگی کے دوران حضرت مولانا سید حامد حسین صاحب کا انتقال ہوگیا۔

مولانا سید حامد حسین صاحب رحمہ اللہ:

مولانا مرحوم عمدہ قسم کے خطیب اور مقرر تھے۔ قرآن مجید کی تلاوت کا خاص ذوق تھا۔ مزاج میں حد سے زیادہ سادگی تھی، اکثر جلسوں کے سلسلے میں ان کے ساتھ سفر ہوتا تھا، اس زمانے میں بسیں اور کاریں استعمال میں نہیں ہوتی تھیں، عام طور سے ریل کا سفر ہوتا تھا اور وہ بھی تیسرے درجے کے ڈبوں میں، مولانا اکثر ریل میں رات کے وقت نیچے لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ لیٹ کر سو جایا کرتے تھے۔ دیکھنے میں منحنی اور پستہ قد تھے، لیکن جب تقریر کرتے تھے تو سماں بندھ جایا کرتا تھا اور سامعین ہمہ تن گوش بن کر ان کا بیان سنتے تھے، مولانا کے صاحبزادگان میں مولوی بلال صاحب کے علاوہ، جن کو حضرت مولانا ابرار الحق صاحب کی خلافت بھی حاصل ہے اور کوئی میرے علم کے مطابق مولانا کا جانشین نہ بن سکا میں چوں کہ پاکستان آ گیا تھا، اس لیے دوسرے صاحبزادگان کا حال معلوم نہ ہو سکا۔

جارت کا شوق:

ہمیں بچپن سے تجارت کا شوق تھا، ہمارے والد صاحب دکان کرتے تھے اور والدہ صاحبہ بھی تجارت کیا کرتی تھیں، تو جلال آباد میں ایک طالب علم ہارون الرشید نے ہمیں مشورہ دیا کہ آم کے کچھ درخت خریدے جائیں، جن کو باغ کا مالک پرانا ہونے کی وجہ سے بیچ دیا کرتا ہے۔ ان درختوں کو کٹوائیں گے اور ان سے پھر تختے اور لکڑیاں نکلوا کر فروخت کریں گے اور باقی لکڑی سوختے میں بیچیں گے۔ اس کے لیے انہوں نے ہم سے اچھی خاصی رقم لی اور کچھ درخت خریدے اور وہ تختے اور لکڑیاں نکالنے میں لگ گئے، بعد میں انہوں نے بتایا کہ نقصان ہوگیا ہے اور غائب ہوگئے، اللہ بہتر جانتے ہیں کہ نقصان ہوا تھا، یا انہوں نے غلط بیانی کی تھی۔ اگر نقصان ہوا تھا تو کاروباری نقصان ہو جایا کرتا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، ان کو حساب دینا چاہیے تھا، لیکن وہ حساب کے بغیر ہی کہیں چلے گئے، میں نے بھی ان کا پیچھا نہیں کیا۔

چار سال بعد تراویح میں قرآن سنانے کا واقعہ:

طالب علمی کے زمانے میں قرآن مجید تراویح میں سنایا تھا، پھر چار سال تک اس کی نوبت نہیں آئی، پانچویں سال مفتاح العلوم کے زمانۂ تدریس میں دوسری مرتبہ قرآن مجید تراویح میں پڑھا، حافظ صدیق حسن خان صاحب جو جلال آباد کے تقریباً تمام ہی حفاظ کے استاد تھے، وہ مجھ سے ''قصیدۂ بردہ'' پڑھا کرتے تھے اور کبھی کبھی یہ فرماتے تھے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے ستائیس دن میں قرآن مجید یاد کیا ہے اور تراویح میں سنایا ہے، میں اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں، میں کہتا تھا حافظ صاحب! میں نے آپ سے یہ بات نہیں کی، جن لوگوں نے کہی ہے، انہیں آپ کہئے، مجھ سے آپ کیوں کہتے ہیں؟ تو جب میں نے ارادہ کیا تو حافظ صاحب سے کہا، آپ سماعت کریں گے، انہوں نے فرمایا، بالکل، ایک سامع یہی حافظ صاحب مقرر ہوئے اور ایک سامع مولوی نصیر احمد صاحب مقرر ہوئے، جو بہترین حافظ ہونے کے ساتھ ساتھ عمدہ قاری بھی تھے، اس مرتبہ جب قرآن مجید سنانا شروع کیا تو ایک بات تو یہ ہوئی کہ دن میں یاد کر لینا کافی ہوتا تھا، رات میں یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، دوسری بات یہ تھی کہ قراءت میں روانی تھی، پہلی مرتبہ رات، دن یاد کرنا پڑتا تھا اور روانی بھی نہیں تھی، حافظ صدیق حسن خان صاحب بوڑھے آدمی تھے، قطرے کی شکایت تھی، اس لیے وہمی بھی تھے، تقریباً دس بارہ دن ہوگئے تھے، تو ایک روز حافظ صاحب نے مجھے لقمہ دیا اور وہ غلط تھا، میں نے نہیں لیا، انہوں نے دوسری مرتبہ پھر لقمہ دیا اور پھر بھی میں نے نہیں لیا۔ پھر تیسری مرتبہ انہوں نے لقمہ دیا اور میں نے نہیں لیا، میں پڑھتا ہوا آگے نکل گیا، سلام کے بعد حافظ صاحب نے شکایت کی، آپ نے لقمہ نہیں لیا۔ میں نے کہا آپ غلط لقمہ دے رہے تھے، میں کیسے لیتا، مولوی نصیر احمد صاحب نے بھی کہا کہ حافظ صاحب غلط لقمہ دے رہے تھے، تو حافظ صاحب کہنے لگے کہ جب میں سامع ہوں تو اگر میں نے غلط لقمہ دیا تھا، تب بھی آپ کو لینا چاہیے تھا، میں نے کہا حافظ صاحب یہ

بات درست نہیں ہے، اس پر حافظ صاحب ناراض ہوگئے اور وہ تراویح چھوڑ کر چلے گئے۔ان کے ایک شاگرد حافظ عطاء اللہ صاحب منی والی مسجد میں قرآن مجید سنا رہے تھے، اور میں مُجّو خان والی مسجد میں سنا رہا تھا، وہاں حافظ صاحب پہنچے، حافظ صاحب کے شاگردوں کا، اگر حافظ صاحب ان کے سامع ہوں تو دم نکلتا تھا، ایک تو اس لیے کہ ان کو قطرے کی شکایت تھی، وہ درمیان میں وضو کرنے جاتے تھے، تو ان کا انتظار کرنا پڑتا تھا اور کبھی کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ سلام کے بعد فرماتے تھے کہ ذرا فلاں جگہ سے پڑھو، مجھے شبہ ہے تم نے غلط پڑھا تھا، اس میں آدمی اگر اس نے نماز میں صحیح بھی پڑھا ہو وہ بعد سلام پڑھنے میں غلطی کر دیتا تھا، حافظ صاحب کا حکم ہوتا تھا کہ اس رکوع کو تراویح میں پھر دہراؤ، ہم تو ان کی ان ساری باتوں کو برداشت کرتے تھے، لیکن جب حافظ صاحب حافظ عطاء اللہ کے پاس گئے تو وہ ڈیڑھ پارہ روز پڑھ رہے تھے، اس دن انہوں نے تین پارے پڑھے اور حافظ صاحب کی کوئی رعایت قطرے کی صورت میں وضو کے لیے جانے کے سلسلے میں بھی نہیں کی اور اگلے دن حافظ عطاء اللہ تراویح چھوڑ کر سہارن پور چلے گئے۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگلے دن حافظ صاحب پھر آ گئے، بہر حال الحمدللہ قرآن مجید ستائیس تاریخ کو پورا ہوگیا اور چوں کہ یہ بات مشہور تھی کہ مولوی صاحب قرآن سنا رہے ہیں، یہ حافظ نہیں ہیں، تو اکیس ویں رات کے بعد کئی حافظ اپنا قرآن ختم کرنے کے بعد ہماری تراویح میں شریک ہوتے تھے، جب قرآن مجید ختم ہوا تو حضرت الاستاد نے ہماری پیشانی کو بوسہ دیا اور حافظ صدیق حسن خان صاحب نے اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ آپ نے ایسا قرآن سنایا ہے، جیسے پختہ حافظ سنایا کرتے ہیں۔

(جاری ہے......

☆☆......☆☆

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے نمائندے بیرون ملک کے سفر پر

حکومت امریکہ اور حکومت پاکستان کے پس پردہ کردار کے بعد International Centre for Religions Development "انٹرنیشنل سینٹر فار ریلیجنز ڈیولپمنٹ" (آئی سی آر ڈی) نے مدارس کے پانچوں وفاقوں کے ۵ نمائندوں کو امریکہ بلانے کی تیاری کرلی ہے، ۲۲ جون کو اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کا وفد امریکہ روانہ ہوگا۔ سیکرٹری مذہبی امور وکیل احمد خان بھی ساتھ جائیں گے۔ وفد امریکہ کے اداروں اور موثر طبقوں کے مدارس کے بارے میں تحفظات دور کرے گا، جب کہ امریکی پالیسی ساز، مدارس میں اصلاحات کے بارے میں مؤقف پیش کریں گے۔ ذرائع کے مطابق امریکہ اور پاکستان کے درمیان مدارس میں اصلاحات اور ان کے لئے جاری کئے گئے امریکی فنڈز پر پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کے بارے میں حکومت پاکستان کی کوششوں اور امریکی حکومت کی اجازت سے (آئی سی آر ڈی) نے - جو کہ ایک این جی او ہے، اس میں اکثریت پاکستانیوں کی ہے- اتحاد تنظیمات مدارس کے علماء وفد کو امریکہ لے جا کر ڈائیلاگ کرانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ۲۲ جون کو تیاری مکمل کرلی ہے، اس کی دعوت (آئی سی آر ڈی امریکہ) کے صدر اظہر نے کچھ عرصہ قبل پاکستان کے دورے اور مدارس کے دورے کے دوران دی تھی۔